روایت پسند علماء اور مروجہ اسلامی بینک کاری

تحفظات اور دوری کے اسباب!

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگران شعبہ تخصصِ فقہِ اسلامی، واستاذ جامعہ

بینکوں کی اصلاح اور اسلام کاری کے نام پر ایک عرصہ سے اچھا خاصا کام ہو رہا ہے، کئی ماہرینِ فن اور متعدد اہلِ فتویٰ کی مشترکہ کوششوں سے یہ کام روز افزوں پھیل رہا ہے، مگر اس کے باوجود روایت پسند علماءِ حق کا ایک بہت بڑا طبقہ اس عمل سے نہ صرف یہ کہ لاتعلق ہے، بلکہ ایسی کوششوں کا ناقد چلا آ رہا ہے۔

بینکوں کی اصلاح کے ''مُبیَّنہ مقاصد'' کے پیشِ نظر اور ''بعض اہلِ فتویٰ'' کے شریکِ کار ہونے کی بنیاد پر بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ناقد علماء کو اس ''کارِ خیر'' میں شریک ہونا چاہیے، اگر شریک نہیں ہو سکتے، اور ''مجوزین'' کی ''حوصلہ افزائی'' نہیں کر سکتے تو کم از کم اس میدان میں محنت کرنے والے علماء اور ماہرین کو ''ہدفِ تنقید'' تو نہ بنائیں۔ یہ سوال بظاہر بڑا وزنی اور معقول ہے، مگر بینکوں کی حالیہ اصلاحی کوششوں سے متعلق ناقد علماء کے ''تحفظات اور دوری کے اسباب'' کا وزن اس سوال کے وزن سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ذیل میں چند بنیادی تحفظات اور دوری کے اسباب پیشِ خدمت ہیں:

۱:-''معاشی انسان'' اور ''معادی انسان'' کا نظریاتی وعملی موازنہ

بلاشبہ ''معاش'' انسان کا ایک بنیادی مسئلہ، ایک ضرورت، گزر بسر کا ایک لازمی وسیلہ ہے، مگر مقصود ہرگز نہیں ہے۔ مقصودِ اصلی ''بندگی'' ہے، جبکہ ''معیشت'' ثانوی ضرورت ہے۔ البتہ اس وسیلہ سے بطور وسیلہ وابستگی میں نظریۂ معاش اگر نظریۂ معاد پر غالب آ جائے تو بتلایا جائے کہ ایسی معیشت کو اسلامی کہا جا سکتا ہے یا محض زر پرستی؟

موجودہ اداروں کو اسلامی مالیاتی ادارے کہنے سے قبل اسلامی معاشی عقیدے کے طور پر اس فکر کی بیداری ناگزیر ہے، تاکہ جانا جاسکے کہ مسلمان' معاشی انسان کتنا ہے اور معادی کتنا ہے؟ جن مالیاتی اداروں کو اس وقت اسلامی کہا جارہا ہے، ان اداروں میں احتکارِ سرمایہ، اکتنازِ دولت، طمع ولالچ، حرصِ مال اور ہوسِ زر کی مذمت والی نصوص کس قدر قابلِ التفات ہیں، فکرِ مال کی فتنہ انگیزی بتانے والی نصوص زیادہ راجح نظر آتی ہیں، یا نفسِ مال کاری؟

روایت پسند علماء سمجھتے ہیں کہ یہ ادارے مسلمان صارف (کلائنٹ) کو اسلامی نظریۂ معاش دینے کی بجائے صرف اور صرف مال کی ذخیرہ اندوزی اور نفع اندوزی کے گُر اور ہنر سکھانے میں مصروف ہیں اور مروجہ مُرابحہ، ہاؤس فائنانس، کار اجارہ اور تکافل پالیسی مجوزین کے ہاں فرض یا واجب کی بجائے محض مباح ہی ہوسکتے ہیں، ان عقود کو وہ مباح کے درجہ میں رکھ کر استعمال کی بجائے اسلامی ضرورت اور دینی اقتضاء کے طور پر پھیلا رہے ہیں، جو کہ مسلمان کو ''معادی'' کی بجائے خالص ''معاشی'' انسان بنانے کی تگ ودو ہے۔ ایسے نظریہ پر عمل پیرا اداروں کو اسلام کی طرف منسوب کرنا نظریہ واعتقاد کے اصول سے غلط معلوم ہوتا ہے: ''**ومنهم من شغفوا بأمور المعاش واشتغلوا بها حتی لم یبق فرصة للاهتمام بأمر المعاد وتوقعه وتفكره۔**''

۲:- اسلامی معیشت کا ''اسلامی مفہوم''

جب ہم اسلامی معیشت کا نام لیتے ہیں تو اس کا حقیقی مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو مسلمان جس ذریعۂ روزگار سے وابستہ ہے، اس میں اسلامی احکام وآداب کا لحاظ رکھے۔ اگر محنت کش مسلمان' صنعت کار ہے تو صنعت کاری سے متعلق اسلامی احکام وآداب کو سامنے رکھے۔ اگر وہ اجارہ دار ہے تو اجارہ کے احکام اور اجیر کے حقوق سے متعلق تفصیلات کا لحاظ رکھے۔ اگر مسلمان' باغبان یا زمین دار ہے تو وہ اپنے میدان میں اسلامی احکام کے مطابق چلے۔ ہمارا ملک چونکہ زرعی ملک ہے اور ملکی معیشت کا اہم عنصر زراعت ہے، اس لیے پاکستان میں اسلامی معیشت کا اطلاق ملک کی زراعت پر ہونا چاہیے اور اسلامی معیشت کے نفاذ کا محور زرعی اصلاحات ہونی چاہئیں، جیسے ایگری کلچرل بینکوں کی اُٹھان کا بنیادی ہدف یہی بتایا گیا تھا، مگر یہاں زراعت اور دیگر شعبوں میں سرمایہ کاری توبے توجہی کا شکار رہے، اور سودی قرضوں کے نظام کو اسلامی قرار دینے کی پالیسی کو اسلامی معیشت کہا جارہا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ نام نہاد اسلامی بینک کاری کا سفر' اسلامی معیشت کی بجائے روایتی بینک کاری کی ترویج وتقویت کا سفر ہے، اس لیے روایت پسند علماء اس سے دور رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

۳ : - اسلامی معیشت اور غیر اسلامی معیشت میں ’’جوہری فرق‘‘

اسلامی معیشت اور غیر اسلامی معیشت میں جوہری فرق یہ ہے کہ تقسیمِ دولت کا انسانی معاشرے پر کیا اثر پڑا ؟ امیر کی ثروت میں بڑھوتری کے ساتھ ساتھ غریب کی غربت میں کمی آئی یا نہیں ؟ نام نہاد اسلامی بینکوں کو دیکھا جائے تو اُن کا اصول یہ ہے کہ چھوٹے تاجروں اور کمپنیوں کے ساتھ معاملات سے گریز کیا جائے ۔ نام نہاد اسلامی بینک کاری کی شاخیں صرف بڑے شہروں تک محدود نظر آتی ہیں ، اور صرف بڑے سرمایہ کاروں کے سرمائے کے فروغ اور گردش میں مصروف نظر آتی ہیں ، ایسی معیشت جس میں سرمائے کی گردش مخصوص سرمایہ داروں کے درمیان چکر کاٹتی رہ جائے ، اسے اسلامی طرزِ فکر پر مبنی معاشی نظام کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے ؟

۴ : - اسلامی بینک کاری یا مغربی بینک کاری کی ’’تقلید کورانہ‘‘ ؟

بینک ایک خالص مغربی طرزِ معاش کے فروغ کا ادارہ ہے ۔ بینک کاری کی اسلام کاری کے لیے قدم اٹھانے سے قبل اسلامی معیشت کے عادلانہ مساواتی اُصول اور مغربی معاشی نظام کے استحصالی شکنجوں کا جو تقابل لازمی تھا ، بینکوں کی موجودہ اسلام کاری میں یہ تقابلی موازنہ تو کجا اُلٹا مغربی بینک کاری کی ’’تقلید کورانہ‘‘ کا اُصول زیرِ عمل ہے ، بلکہ اسلامی اصولوں کی فوقیت کا ایمانی تقاضا بھی فراموش نظر آتا ہے ۔ یہاں پہلے معاشی نظریہ اور طریقۂ تمویل‘ مغربی معاشی نظام سے مستعار لیا گیا ہے ، پھر مصری طرزِ تطبیق پر اس کی فقہی تخریج فرمائی گئی ہے ۔ ایسے طرزِ عمل پر شاہ ولی اللہؒ اور ان کے فکری پیروکار علمائے شریعت ’’تـدارؤ بـالـدین‘‘ (امرِ دینی کو ٹالنے) کا خدشہ محسوس کرتے چلے آرہے ہیں ، اور اسے ’’اتباع سنن من کان قبلکم‘‘ کے قبیل سے سمجھا جا رہا ہے ۔

’’اسلامی بینک کاری‘‘ کے عنوان سے ’’اسلامی معاشی نظام‘‘ کو مغرب کا تابع محض اور اس کے پیچھے دوڑتا ہوا نظام ظاہر کیا گیا ہے ۔ ایسے نظام کو ’’اسلامی‘‘ کہنا بے جا ہے ۔

۵ : - مغربی نظام کی بالادستی اور اثر ونفوذ سے طوطا چشمی

موجودہ مجوزہ نظام بینک کاری کی واقعیت جانچنے سے قبل مغربی معاشی سرمایہ داری نظام کی بالادستی ، چیرہ دستی اور اس نظام کے تحفُّظ وتفوُّق کے لیے مغربی معیشت کی سہ گانہ بنیادوں (سود ، بینک کاری اور آزاد منڈی) اور دوگانہ اُصولوں (سیکولر ڈیموکریسی ، آزاد منڈی کی معیشت پر کاربند سودی نظام) کا تجزیہ وتحلیل درکار ہے ، جس سے یہاں طوطا چشمی برتی گئی ہے اور موجودہ تخیُّلاتی نظام کو اسلامی ، آسمانی اور آفاقی باور کرایا جارہا ہے ، جسے ہر صاحبِ بصیرت خواب اور سراب ہی کہہ سکتا ہے ۔

۶:- کل کے بغیر جزء کی اصلاح کے دعویٰ کی واقعیت

عالمی تناظر سے احوالِ زمانہ پر کھنے والے پیشواؤں سے ہرگز مخفی نہیں کہ کسی بھی ملک کا کوئی بھی بینک ہو، وہ عالمی بینک کاری کے اَ کھل کی اکھنڈ ہی ہوتا ہے، بالخصوص تمام دنیا کی بینکوں کی ہولڈنگ اور کنٹرولنگ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ہی کرتے ہیں، دنیا میں جو بھی بینک قائم ہوتا ہے تو وہ ورلڈ بینک اور عالمی مالیاتی ادارے کے اصول وقواعد کا پابند ہوتا ہے، دنیا کا کوئی بھی بینک اس گرفت سے آزاد یا دور رہ کر اپنا بینک کاری وجود باقی نہیں رکھ سکتا، نیز کوئی بھی ملک اپنے وسائل سے اپنے طور پر مستفید ہو عالمی مالیاتی ادارے اس کی اجازت بھی قطعاً نہیں دیتے، بلکہ ایسی سرگرمی کے خلاف ہر محاذ سے جنگ مسلط کرنا مغرب کے لیے ایمانی اقتضاء کا درجہ رکھتا ہے۔ آج دنیا میں جتنی جنگیں برپا ہیں، ان کے پیچھے دنیا بھر کے معاشی وسائل پر قبضے کے محرکات ہی کارفرما ہیں۔ مغربی سرمایہ کاری کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ دنیا میں اپنی معاشی بالادستی پر کسی قسم کا سمجھوتہ روا نہیں رکھتی، جس کی وجہ سے دنیا معاشی ناہمواری، طبقاتی تقسیم اور امن وامان کے مسائل سے دوچار ہے۔ یہ عالمی نظام کی وہی تباہ کاریاں ہیں جن سے نجات کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ''فک کل نظام'' کا الہامی نعرہ ونظریہ رواج پایا تھا، جو میدانِ عمل سے وابستہ ہمارے سیاسی بزرگوں کا ''شعار'' کہلاتا ہے، جس کی تمثیلی تعبیر کسی زمانے میں اپنے اِن بزرگوں سے یوں سنا کرتے تھے کہ: ''ٹونٹی بدلنے سے ناپاک مٹکا پاک نہیں ہوتا۔'' روایت پسند علماء اس نظریے کو آج تک درست سمجھتے چلے آرہے ہیں، اس لیے ہمارے جیسا ہر طالب علم یہی کہتا ہے اور کہے گا کہ: ''کل کی اصلاح کے بغیر جزء کی اصلاح کا دعویٰ بے معنی ہے۔'' اس لیے روایت پسند علماء بینکوں کی اسلام کاری کے حالیہ سفر میں رفیقِ سفر بننے سے رہ گئے اور اس سفر اور منزل کی حسرت بھی نہیں رکھتے۔

۷:- بینکوں کا اصلی کام قرضوں کا کاروبار ہے

بینک کے تقریباً بڑے بڑے کام ایک درجن کے لگ بھگ ہیں، ان میں سے ایک کام سودی قرضوں کا عمل ہے۔ ساری محنت کا محور یہی ہوتا ہے، جو بینک کا بنیادی اور اصلی کام ہے۔ بینک کی اسلام کاری کی طرف جاتے ہوئے قرضوں سے متعلق شرعی مزاج دیکھنا چاہیے، قرضوں سے متعلق بیع صرف کے احکام کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے، مگر بینکوں کے طرف دار حضرات' بینک کی ضرورت اور افادیت گنواتے اور منواتے ہوئے مجموعی کارکردگی کو موضوع بنا کر اس کی آڑ میں قرضوں کے کاروبار کو ضرورتِ زمانہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر نظریۂ ضرورت کے سہارے سودی قرضوں کے عمل کی اسلام

کاری کو اسلامی بینک کاری اور اسلامی معیشت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ بینک کا ضرورت ہونا الگ پہلو ہے، اور قرضوں کے کاروبار کا ضروری ہونا الگ معاملہ ہے، یہ طرزِ عمل دو وجہوں سے غلط ہے:

الف:...... غیر ضروری کو ضروری کہنا، کیوں کہ قرضوں کا کاروبار ہرگز ضروری نہیں ہے۔

ب:...... غیر ضروری اور ناجائز کے جواز کے لیے جائز اور ضروری اُمور کو ڈھال بنانا قرآن کریم کی رو سے یہ مشرکین مکہ کے ''إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'' جیسا استدلال بنتا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں ''دسیسہ کاری'' کہلاتا ہے، اس لیے بینکوں کے اصلی کام (قرضوں کے کاروبار) کو اسلامی بینک کاری کہنا قطعی غلط ہے!۔

۸:- کیا قرضوں کا کاروبار اسلام میں جائز ہے؟

بینک اپنی اصل اور ساخت کے لحاظ سے نہ تو تجارتی ادارہ ہے اور نہ ہی معروف معنوں میں حقیقی تجارت کرنے کا مجاز ہے۔ اگر وہ تجارت کرتا ہے تو صرف اور صرف قرضوں کی تجارت کرسکتا ہے، زر کا لین دین کرسکتا ہے اور وہ یہی کرتا ہے تو پھر اسلامی بینک کا خلاصہ یہ ہوگا: حقیقی تجارت کے بجائے مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے قرضوں کے کاروبار کو جائز قرار دینا ہے، ورنہ وہ بینک' بینک نہیں رہے گا، جب اسلامی بینک کی حقیقت یہی ٹھہرتی ہے تو ظاہر ہے کہ قرضوں کا کاروبار نفع اندوزی کے لیے کیا جائے تو یہ آسان کام نہیں ہے۔

۹:- نام نہاد اسلامی بینک کاری اور ضرورت واضطرار کے اصول کا بے جا استعمال

اسلام کی طرف منسوب بینکوں کو جائز بنانے کے لیے مجوزین علماء نے ضرورت واضطرار کے نام پر کئی مسلمہ اصولِ شرعیہ سے غالباً صرفِ نظر کیا ہوا ہے، حالانکہ اکابر کے معاشی نظریات صاف بتاتے ہیں کہ ضرورت واضطرار اور عیش پرستی، زر اندوزی اور امیر سے امیر تر بننے کی حرص وخواہش کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے، کیوں کہ تمدنِ جدید کے ہر تقاضا اور مغرب کی نقالی کو اضطرارِ شرعی کے درجہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر نام نہاد اسلامی بینکوں کا حال یہ ہے کہ ضرورت واضطرار کے نام پر سودی قرضوں کو اپنی تمام تر کیفیات وخصوصیات کے ساتھ جائز قرار دیا جارہا ہے، حالانکہ کسی مجبور کے حق میں قرضہ' تو ضرورت اور اضطرار ہوسکتا ہے، بلکہ کارِ ثواب بھی ہے، مگر قرضوں کا کاروبار تو قطعاً ضرورت واضطرار نہیں کہلاتا، بلکہ ظلم، استحصال اور خدا ورسول کے خلاف اعلانِ جنگ کا نام ہے، جو ادارے ضرورت واضطرار کا نام لے کر اس خطرناک اعلانِ جنگ کے مواقع کی فراہمی اور مقاصد کی تکمیل کی راہ پر گامزن ہوں، انہیں اسلامی کہنا ایمانی لحاظ سے غیر معمولی امر ہے۔

۱۰:-بینک کاری کے ’’ضمانتی اصول‘‘ اور اسلامی تجارت کے ’’امانتی اصول‘‘ کا تقابلی جائزہ

بینک جب سودی ادارہ ہے تو سود کا متبادل سودی آلائشوں سے پاک تجارت ہی ہوگی: ’’أَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‘‘ بینک کو تجارتی ادارے میں بدلنے کے لیے سرمایہ کار (بینک) کی تحویل میں سرمائے کی بابت بینک کاری کے ضمانتی اصول اور اسلامی تجارت کے امانتی اصول، نیز غیر متعین امکانی نفع اور متعین یقینی نفع کا نظریاتی قرب وبعد ناپنا بھی ضروری ہے۔ اسی تقابل کے ذریعہ ممکن ہوگا کہ بینک کاری اور اسلامی تجارت اپنے بنیادی اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے یکجا ہوسکتے ہیں یانہیں؟! ماہرین فن بخوبی جانتے ہیں کہ نام نہاد اسلامی بینکوں میں سرمائے سے متعلق بینک کاری کا ضمانتی اصول پوری قوت کے ساتھ کارفرما ہے، جب کہ برائے نام اسلامی تجارت کا امانتی اصول تاویلِ فاسد کے ذریعہ انتہائی بے رحمی وبے وقعتی کے ساتھ پائے مال نظر آتا ہے۔ نیز نفع کے امکانی اور یقینی تعیُّن میں محض لفظ ’’ان شاء اللہ!‘‘ کا فرق دکھایا گیا ہے۔ اس لیے موجودہ بینک کاری اداروں کو اسلامی کہنا غیر اسلامی کو اسلامی کہنے کی غلطی لگ رہا ہے، اس ڈر سے روایت پسند اس نظام کے قریب نہیں جا پا رہے۔

۱۱:-سودی بینک کے حالیہ متبادل کی حقیقت

ہمارے جیسے طلبہ جب حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ اور مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے معاشی افکار کے آئینے میں نام نہاد اسلامی بینک کاری کا چہرہ دیکھتے ہیں تو اس نام نہاد نظام کی مکروہ صورت‘ اکابر کی فکر سے بالکل جداگانہ نظر آتی ہے۔ اکابر کے ہاں تو سودی بینک کا متبادل ’’بینک‘‘ نہیں تھا، بلکہ سودی بینک کا متبادل ’’شرکت ومضاربت‘‘ پر مبنی تجارتی ادارہ تھا، جب کہ موجودہ بینکوں میں شرکت ومضاربت کا کوئی عنصر نہیں پایا جاتا، بلکہ اُلٹا سودی قرضے کو اپنے مکمل وضعی طریقے اور مکمل خصوصیات کے ساتھ مرابحہ مؤجلہ، جب کہ روایتی لیزنگ کو اجارہ کے عنوان سے قوام ودوام بخشا گیا ہے، اور بینکوں کی یا ۹۸% یا ۸۰% آمدن کا ذریعہ یہی دو تمویلی طریقے ہیں۔ یہ طریقے اکابر کو کبھی نہیں سوجھے تھے، بلکہ مال کاری کے یہ طریقے توضیائی دور (۸۱-۱۹۸۰ء) کی ضیاء پاشی کا نتیجہ ہیں، جو پہلے بیع مؤجل اور پٹہ داری کے عنوان سے متعارف ہوئے تھے، جنہیں اس وقت کے اہلِ دانش اور اربابِ فقہ وفتاویٰ نے سود کو چور دروازے سے داخل کرنے کی ناپاک جسارت قرار دیا تھا، پھر ۸۵-۱۹۸۴ء میں اسی ’’بیع مؤجل‘‘ اور ’’پٹہ داری‘‘ کو ’’مرابحہ‘‘ اور ’’اجارہ‘‘ کے نام سے اور ’’حسن قضاء‘‘ کے اضافے کے ساتھ رواج دینے کی سعی لاحاصل ہوئی تھی۔ یہی وہ مال کاری کے دو طریقے ہیں جنہیں ۱۹۹۲ء سے نئے رنگ روغن کے

ساتھ اسلامی معیشت کی تجدید بتایا جارہا ہے، البتہ یہاں ناموں میں اور مثالوں میں اتنی تبدیلی ضرور ہوئی کہ مرابحہ کے ساتھ مؤجلہ کا لاحقہ لگا اور اجارہ کے ساتھ ''منتهية بالتمليك'' کا لفظ بڑھا دیا گیا، جب کہ مثال میں کھاد کی بوری کی جگہ ٹریکٹر کا لفظ رکھ کر ترمیم فرمائی گئی ہے۔ حالیہ اسلامی بینک کاری اسی نظام (۱۹۹۲ء والے) کی علمبرداری کی دعوے دار ہے۔ جن روایت پسند علماء کے سامنے بینکوں کی اسلام کاری سے متعلق اکابر کی تحریری کاوشیں موجود ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اکابر کا نظریۂ بینک کاری وہ نہیں ہے جس پر ہمارے معاصر علماء بینک کاری فرمارہے ہیں، بلکہ اکابر کے نظریہ سے انحراف کے باعث روایتی علماء معاصر بینک کار علماء کے ساتھ چلنے سے قاصر رہ گئے۔

۱۲:- ضیائی نظریۂ بینک کاری کی پذیرائی اور اکابر کے نظریۂ بینک کاری کی عدمِ پذیرائی کے عوامل

بینکوں کی اصلاح اور اسلام کاری کا عمل تقریباً ۱۹۶۰ء کی دھائی سے شروع ہوا تھا، ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، حضرت مفتی محمود، حضرت مفتی ولی حسن اور حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں گراں قدر عملی وعلمی مآثر چھوڑے ہیں، مگر ان جبال العلم ہستیوں کی کاوشوں کو کبھی کسی نے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا، مگر ۸۱-۱۹۸۰ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بینک کاروں کی رعایت اور ان کے مفادات کے تحفُّظ پر مبنی بینک کاری کا نظام پیش کیا تو بینک کار حضرات اُسے ہاتھوں ہاتھ لینے لگ گئے۔ اگر کسی نے وقتی طور پر تحفُّظ کا اظہار بھی کیا تو آگے چل کر وہی تحفُّظ اطمینان میں بدلتا چلا گیا، اب جب ہم اسلامی بینک کاری کی بات کرنے جارہے ہیں تو ہمیں اس میدان میں قدم رکھنے سے قبل یہ سوچنا لازم ہے کہ اکابر کے نظریۂ بینک کاری کو کبھی پذیرائی نہ ملنے اور ضیاء صاحب مرحوم کے سایۂ عاطفت میں پیش ہونے والے وقتی، عارضی اور عبوری نظریۂ بینک کاری کو قبول کرنے کے وہ جاذب عوامل آخر کیا ہیں؟ ان کی تشخیص ہونی چاہیے۔ نیز اس عبوری اور عارضی نظام سے متعلق کم از کم اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے تأثرات ہی دیکھ لیے جائیں اور ۱۹۹۲ء کی مجلسِ بینک کاری کی روئیداد کے کم از کم مختصر حواشی کا مطالعہ ہی کرلیا جائے تو شاید مروجہ اسلامی بینک کاری ''علمی فتنہ'' کا رُتبہ نہ پاسکے۔ نظریاتی کونسل کی رپورٹ اور ۱۹۹۲ء کی روئیداد کے سرسری مطالعہ سے وہ عوامل بھی نظر آسکتے ہیں جو اس نظام کی قبولیت کا ذریعہ اور اکابر کے نظریہ کے قابل قبول بننے میں رکاوٹ بنتے رہے، اس لیے روایتی علماء اس نظام کی تائید سے کتراتے ہیں۔

۱۳:- تمویلی اداروں کی نظریۂ پیدائشِ دولت کی تشخیص کی ضرورت

کسی بھی مالیاتی/تمویلی ادارے کو اسلامی کہنے سے قبل اس ادارے کے پیداواری نظریئے کا

واضح ہونا لازم ہے۔ کسی بھی مالیاتی ادارے کا ’’نظریۂ پیدائشِ دولت‘‘ حصولِ دولت اور کسبِ مال کے لیے وہی درجہ رکھتا ہے جو انسان کے اعمال کی صلاح وصحت کے لیے ’’ایمان‘‘ کا درجہ ہوتا ہے۔ نام نہاد اسلامی بینکوں کی آمدن، کاروبار اور مال کاری کا بنیادی عنصر جب قرضوں کا لین دین ہی ہے اور اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے، بعض تجارتی اصطلاحات برائے نام، حیلۂ فاسدہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں، تو یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ نام نہاد اسلامی بینک کاری‘ اسلامی تجارت کے بجائے روایتی بینک کاری ہی کررہی ہے اور اس کی دولت آفرینی کے پیچھے پیدائشِ دولت کا وہی نظریہ کارفرما ہے جو اسلامی لاحقے سے خالی بینکوں کی نفع اندوزی کے پیچھے کارفرما ہے اور وہ ہے سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی نظریۂ پیدائشِ دولت اور معروف پیداواری عامل ’’المال یلد المال‘‘ یعنی عین اور محنت کے واسطے کے بغیر بھی پیسہ مال پیدا کرسکتا ہے، یعنی جس طرح اعیان (اشیاء) کا کرایہ جائز ہے، اسی طرح اَثمان (نقدی) کا کرایہ بھی جائز ہے اور اسی کرایہ کا بازاری نام ’’سود‘‘ ہے۔ اس لیے روایتی علماء نام نہاد اسلامی بینکوں کو اسلامی یا غیرسودی کہنے کی بجائے مغربی سرمایہ داری نظام کے فکری سانچوں میں ڈھلی ہوئی روایتی بینک کاری کا شائع وذائع چربہ ہی سمجھتے ہیں، ہمارا خیال یہ ہے کہ روایتی بینک کاری کو روایتی انداز واندام کے ساتھ استعمال کرنا معمولی جرم ہے، جبکہ روایتی بینک کاری کو اسلامی کے نام سے رواج دینا بڑا جرم ہے، اگر اس عمل سے علماء وابستہ ہوں اور اس نظام کی صحت کے لیے تاویلات وتزویرات کی راہ پر چلنے لگ جائیں تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ ’علماء سالفین‘ والا مذموم عمل کہلائے گا اور یہ ’’ترويج الاستنباطات الواهية‘‘ اور ’’تاویل‘‘ کے ذریعہ ایک جرم کو دوہرا جرم بنانے کے مترادف ہوگا، اس بنا پر بجز چند علماء کے اس نام نہاد اسلامی بینک کاری سے ملک بھر کے اہلِ فقہ وفتویٰ دور ہیں اور عوام وخواص کو بھی یہی مشورہ دیتے ہیں۔

۱۴:- فلسفۂ ولی اللّٰہی اور تجدیدِ معیشت کی کاوش

مروَّجہ نظام کی نظریاتی بنیادوں کو اگر ولی اللّٰہی افکار اور اُن کے ارتفاقی اور عمرانی اُصولوں کے آئینے میں دیکھا جائے تو اس نظام میں حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ ملکیت، اُصولِ ارتفاق اور عقودِ باطلہ وفاسدہ کی ترویجی مہم کی بابت حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کردہ اسرار وحکم دوربین سے بھی دکھائی نہیں دیتے، بلکہ اس کے برعکس قابلِ اشکال عقود کو درست باور کرانے میں تاویلِ فاسد کا ارتکاب بڑی بے باکی سے نظر آتا ہے، چنانچہ بینکوں کی اسلام کاری کے حالیہ طرزِ عمل میں حضرت مجدد احمد سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ احمد دہلوی رحمہما اللہ کے تطہیری وتجدیدی مہک سے زیادہ دوسرے رُخ کی تجدیدی ہمک کا غلبہ محسوس ہورہا ہے، اس لیے اس نظام کو اسلامی معیشت کی تجدیدی کاوش کہنے اور سمجھنے

میں روایتی علماء کو تأمل رہتا ہے اور رہے گا۔

۱۵:- اسلامی بینک کاری کی بنیاد اشتراکیت، سرمایہ داری یا اسلام؟

بینکوں کی اسلام کاری کے عمل میں روایتی علماء اس لیے بھی شامل نہ ہوسکے کہ وہ ابھی تک میدانِ عمل سے وابستہ اکابرِ جمعیت کے ۱۹۷۰ء کے سرگودھا والے اس ''دستورِ مستور'' کی تلاش میں ہیں، جس میں اکابر کے نظریۂ ملکیت، تحدیدِ ملکیت، زرعی اصلاحات، مزدور کے حقوق اور سرمایہ دار کے استحصالی اقدامات کی بابت اسلامی فکر مہیا کرنے کی محنت ہوئی تھی، انہیں اپنے سیاسی اکابر کے وہ معاشی افکار بھی درکار ہیں جن میں اسلامی مساوات اور بنیادی انسانی حقوق کا بیان تھا، جس کی پاداش میں سرمایہ دار طبقے اور اس طبقے کے ہمنوا حضرات نے ہمارے سیاسی بزرگوں کو اشتراکی قرار دیا تھا اور ان کی کوششوں کو اسلامی لبادے میں سوشلزم اور کمیونزم کی ترویج قرار دیا تھا۔ اگر اسلامی مساوات اور انسانی ہمدردی کا نعرہ سوشلزم اور کمیونزم کے ساتھ لفظی مشابہت کی وجہ سے موجبِ کفر تھا تو آج کیپٹل ازم کی فقہی تخریج کیسے تجدیدی کارنامہ بن گئی؟ اور اس فکر پر قائم معاشی نظام کیسے قابلِ داد اور لائقِ رشک بن گیا؟ روایتی علماء ایسے ''معاییر'' کی عیاری (پیمائشی عمل) سمجھنے سے قاصر ہیں، اس لیے وہ ان بینکوں سے دوری کا مشورہ دیتے ہیں۔

۱۶:- مجوزین کے ہاں غیرسودی بینک کاری کا پرانا تصور

نام نہاد اسلامی بینکوں میں غیرسودی بینک کاری کا وہ تصوُّر بھی مفقود ہے جو مجوزین کے بعض کبار اہلِ علم پیش فرمایا کرتے تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''جب ہم غیرسودی بینک کاری کا نام لیتے ہیں اور بینکنگ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا منشأ یہ نہیں ہوتا کہ چند حیلوں کے ذریعہ ہم موجودہ طریق کار کو ذرا سا تبدیل کرکے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے پورے نظام کو تبدیل کرکے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں، جس کے اثرات تقسیمِ دولت کے نظام پر بھی مرتب ہوں، اور سرمایہ کاری کا اسلامی تصور یہ ہے کہ جو شخص کسی کاروبار کو سرمایہ فراہم کررہا ہے، وہ یا تو نفع کا مطالبہ نہ کرے یا اگر نفع کا مطالبہ کرتا ہے تو نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہو، لہٰذا غیرسودی بینک کاری میں بنیادی طور پر اس تصوُّر کا تحفُّظ ضروری ہے، اب اگر بینک کا سارا نظام مارک اَپ (مروجہ اسلامی بینک کاری میں اس مارک اَپ کا نام رِبح اور اُجرت رکھ دیا گیا ہے۔[مرتب]) کی بنیاد پر اُستوار کرلیا جائے تو سرمایہ کاری کا یہ بنیادی اسلامی تصور آخر کہاں اطلاق پذیر ہوگا؟.....

کیا اس حیلے کے ذریعہ نظامِ تقسیمِ دولت کی مروجہ خرابیوں کا کوئی ہزارواں حصہ بھی کم ہو سکے گا؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو خدارا سوچئے! کہ مارک اَپ (مروجہ نام نہاد رِبح وکرایہ [مرتب]) کا حیلہ استعمال کرکے ہم اسلامی نظامِ سرمایہ کاری کا کیا تصوُّر دنیا کے سامنے پیش کررہے ہیں؟۔‘‘

۱۷:- شبہ بالربوا سے اجتناب کا شرعی تقاضا

اگر اُمورِ بالا واقعیہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مجوزین اور مانعین کی آراء کو ائمہ مجتہدین کی اختلافی آراء کے درجہ میں فرض کرلیا جائے تو بابِ ربا میں شبہۂ ربا سے اجتناب کا شرعی تقاضا یہی بنتا ہے کہ متدین طبقہ اس نظام سے دور رہے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیا جائے۔

۱۸:- حلال وحرام کے اختلاف کا مخلص

نیز معاصر علماء کے اس اختلاف کو اگر فقہاء کے حلال وحرام والے اختلاف کے درجہ میں لے جاکر دیکھا جائے تب بھی اصولاً اجتناب واحتراز کا فیصلہ ہی کرنا ہوگا، کیونکہ حلال وحرام کے اختلاف کی صورت میں جانبِ حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

۱۹:- مباحات کے اختلاف میں اربابِ مناصبِ دینیہ کا طرزِ عمل

علیٰ سبیل التنزُّل اگر اس اختلاف کو حلال وحرام کی بجائے، مباحات کا اختلاف قرار دیا جائے تو بھی اہلِ تقویٰ، اصحابِ تدیُّن، اربابِ مراتب اور صاحبانِ مناصبِ دینیہ کے لیے پھر بھی اجتناب واحتراز ہی کا حکم ہوگا، نہ کہ اس نظام کے تحت چلنے والے اداروں کی ممبرشپ اور اس نظام کی تقویت کا ذریعہ بننا۔

۲۰:- بابِ حرمت میں اصولِ ورع وتقویٰ کو نظرانداز کرنے والے خلاف اور شقاق کا سبب اور ذمہ دار ہیں

بینکوں کی اسلام کاری کی حالیہ کوششوں سے دوری کے یہ چند اسباب ہیں جو نام نہاد اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری کو حرام سمجھنے اور بتانے کے لیے روایت پسند علماء کی مجبوری ہیں، یہ کسی کی بے جا مخالفت نہیں ہے، بلکہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بقول خلاف اور شقاق کے موردِ الزام وہی لوگ ہیں جو بابِ حرمت میں اصولِ ورع وتقویٰ کو نظرانداز کرتے ہوئے احتراز کی بجائے ابتلاء کے داعی ہیں۔

اللّٰہم أرنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہٗ وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہٗ

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....